علامہ شبلی اور عملی تنقید کے مطالبات

موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ کی روشنی میں

پروفیسر سید فضل امام

امامیہ مارگ، جعفریہ کالونی، مفتی گنج، لکھنؤ

فنونِ لطیفہ (Fine Arts) اور خاص طور پر ادب کی تفہیم اور پرکھ کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود نقاد کا ذہن عالمانہ اور تربیت یافتہ ہو۔ شبلی عربی و فارسی کے عالم متبحر تھے۔ وہ سرسید کے قریب اسی علمی کشش کے باعث آئے، مغرب کے تنقیدی رویّے سے واقف ہوئے اور تقابلی تنقید کا رجحان مغربی ادب سے ہی اخذ کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو میں تنقید باضابطہ اور باقاعدہ طور پر نہیں تھی۔ تذکرائی تنقید تاثراتی اور جمالیاتی انداز کی حامل تھی۔ اردو شاعری کا انتقادی جائزہ سب سے پہلے محمد حسین آزادؔ نے لیا تھا۔ آبِ حیات میں ابواب وادوار اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ہلکی ہی سہی لیکن تقابلی تنقید کی کہیں کہیں جھلکیاں مل جاتی ہیں۔ میرؔ و سوداؔ، مصحفیؔ و انشاؔ، غالبؔ و ذوقؔ کے ذیل میں وہ تقابلی تنقید کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں حالی نے اپنا اردو دیوان شائع کیا۔ جس کے لیے انھوں نے ایک جامع اور مبسوط مقدمہ بھی تحریک کیا، جو مقدمۂ شعر و شاعری کے نام سے مشہور ہوکر اردو تنقید کا سنگ میل بن گیا۔ حالیؔ نے ملٹنؔ اور ابن رشیق قیروانی کے بیان میں تفریق کی وضاحت کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تقابلی تنقید کے تصور سے آگہی حاصل کر رہے تھے۔

شبلی نے ۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء میں موازنۂ انیس و دبیر تصنیف کی اور ۱۹۰۷ء میں مطبع آگرہ سے منظرِ عام پر آئی، اِسے اردو کی تقابلی تنقید کی خشتِ اوّل کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ کو عملی تنقید کی کتاب تسلیم کرتے ہیں وہ رقم طراز ہیں:

> ''تنقید کا یہ انداز شبلی کی اختراع نہیں بلکہ ہمارے پرانے نظام نقد و انتقاد میں ادبی گروہ بندیوں کے ماتحت مختلف شاعروں کی شاعری کی قدر و قیمت کا فیصلہ اور طریق کے علاوہ اس انداز سے بھی کیا جاتا تھا۔ شبلی نے بھی اسی طریقے پر عمل کیا ہے۔''....اس خاص بات کے علاوہ شبلی کے محاکمے کے اصول بہت حد تک سائنٹفک ہیں، انھوں نے سب سے پہلے شاعری کو پرکھنے کے صحیح اصول واضح کیے ہیں، پھر دونوں شاعروں کی تقابلی اہمیت ان اصولوں کی روشنی میں ظاہر کی ہے۔''[۱]

اردو کے قدیم شعری ادب کے مطالعے نے انھیں اس بات کے لیے متوجہ کیا کہ اپنی بات کی توضیح و تشریح کے لیے انیسؔ و دبیر سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہوسکتا۔ انیسؔ کے یہاں سادگی و پرکاری ہے تو دبیر کے یہاں دقّت آفرینی اور طوالت ہے۔ شبلی نے موازنہ لکھ کر روزمرّہ و محاورہ اور فصاحت، بلاغت کے معیار و میزان متعین کیے۔ شبلی کا انتقادی عمل مشرقی شعریات پر مبنی ہے اور مشرق شعریات کے مضمرات و مشمولات سے ماخوذ ہے۔ تمام تر رموز و نکات اور اصطلاحات وہیں کی وضع کردہ ہیں۔ وہ خود رقم طراز ہیں:

> ''جو الفاظ اور جو خاص ترکیبیں اہلِ زبان کی بول چال میں زیادہ مستعمل اور متداول ہوتی ہیں، ان کو روزمرّہ کہتے ہیں، روزمرّہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے لیکن دراصل وہ فصاحت کا ہی ایک جزو خاص ہے یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال میں وہی الفاظ زبان پر آئیں گے، جو سادہ صاف اور سہل الاداہوں اور اگر ان میں کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرتِ استعمال سے وہ منجھ کر صاف ہوجاتے ہیں۔ روزمرّہ کے لیے فصیح ہونا لازمی ہے۔ میر انیسؔ کے کلام بھی روزمرّہ اور محاورے کا استعمال پایا جاتا ہے۔''[۲]

یہ حقیقت ہے کہ میر انیسؔ کے کلام میں لسانی ادراک اور شعور گہرا ہے ان کے برتنے کا انھیں سلیقہ بھی آتا ہے اور یہ کلاسیکی معیار ادب کی مثال ہے۔ شبلی نے موازنہ کی بنیاد پوری طرح سے اندازِ بیان پر رکھی

ہے اور یہ اندازِ بیان اور اسلوب نگارش کلاسیکی اصولوں پر مبنی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شبلی نے دو اصطلاحیں یعنی فصاحت اور بلاغت کی مدد سے شعرا اور شعر کا معیار متعین کرنے کی کوشش کی ہے اِن دونوں اصطلاحوں کا مشرقی ادبیات میں ہمیشہ سے خاص مقام رہا۔

فصاحت اور بلاغت کے ذیل میں شبلی نے جو امتیازات قائم کیے ہیں وہ یہ ہے کہ فصاحت سے مراد سہولت اظہار، اس کے وسائل اور متعلقات میں جس میں ایک طرح شفافیت (Transpareney) یعنی سلامت، روانی اور برجستگی ہو۔ اس کے علی الرغم بلاغت کا تعلق الفاظ سے کم معانی سے زیادہ ہے اسے دو معنویت یا ترسیل کہا جا سکتا ہے۔ جدید ادبی تنقید کے ادبی تناظر میں یہ اصطلاحات زیادہ موزوں اور شاید مناسب نہ معلوم ہوں لیکن اردو مرثیہ کے باب میں ان کو اہمیت حاصل ہے۔ یہ صنفِ سخن واقعہ نگاری سے متعلق ہے اور واقعہ نگاری میں اس صنف کی رسمیات طے شدہ ہیں۔ مرثیہ کے موضوعات تاریخی اور اساطیری ہیں۔ انیس نے جذبات و احساسات کی ترجمانی، عکاسی اور منظر کشی کو ترجیح دی ہے۔

شبلی نے بلاغت کو فصاحت کا ہی ایک حصّہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک فصاحت، روانی اور برجستگی ہے۔ موازنہ کے آغاز میں انھوں نے تحریر کیا ہے:

> ہر لفظ چوں کہ ایک قسم کا سُر ہے، اس لیے ضروری ہے کہ جن الفاظ کے سلسلے میں وہ ترکیب دیا جائے اُن آوازوں سے اس کا خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مختلف سروں کو ترتیب دینا ہوگا۔ نغمہ اور راگ مختلف آوازوں یا سروں کا نام ہے۔ ہر سُر بجائے خود دلکش اور دل آویز ہے، لیکن اگر دو مختلف سروں کو باہم ترکیب دے دیا جائے تو دونوں مکروہ ہو جائیں گے راگ کے دلکش اور مؤثر ہونے کا گر وہی ہے جن سروں سے اس کی ترتیب ہو، ان میں انتہائی توازن اور تناسب ہو۔'' [۳]

شبلی کے یہی خیال اور الفاظ مضمون ''فنِ بلاغت'' میں درج ہیں۔ [۴]

اس بحث میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تنافر لفظی فصاحت میں خارج ہوتا ہے اور الفاظ کی باہمی عدم آہنگی تنافر کا سبب ہے۔ موسیقی میں ترنم کا دار و مدار تناسب اور توازن پر سروں کی کامل مطابقت اور ہم آہنگی اور سروں کے ارتباط باہمی پر ہے۔

شبلی فرماتے ہیں کہ تشبیہ و استعارہ کی بنیادیں مماثلت (Analory) میں ہیں۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ تشبیہہ میں مماثلت واضح اور خارجی سطح پر ہوتی ہے اور اس کو آسانی کے ساتھ ادراک کے دائرۂ گرفت میں لایا جا سکتا ہے۔ استعارہ میں مماثلت اندرونی سطح پر پائی جاتی ہے وہ استعارہ کو فن تدبیر قرار دیتے ہیں شبلی نے تشبیہ کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ (۱) مفرد (۲) مرکب۔

مفرد: یعنی جس طرح چہرے کو پھول سے تشبیہ دی جائے اور ''مرکب'' یہ کہ جس طرح یہ کہا جائے کہ میدانِ جنگ میں گرد اُٹھی تو اس میں تلواریں اس طرح چمک رہی تھیں جیسے شب میں ستارے ٹوٹتے ہیں۔ [۵]

موازنہ میں شبلی نے بیشتر حصّہ میر انیس کے شعری کارنامے کی پرکھ کے لیے صرف کیا ہے اور اس محاکمے کے دوران مرزا دبیر کے شعری کارناموں پر ذرا لمحہ ہی توجہ مبذول فرماتے ہیں۔ انیس اپنے کلام میں زیادہ تر تشبیہات سے کام لیتے ہیں استعارہ کا زیادہ استعمال نہیں کرتے ہیں۔ مراثی انیس میں دونوں طرح کی تشبیہات مستعمل ہیں، مفرد اور مرکب دونوں:

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملادوں
قطرہ کو جو دو آب تو گوہر سے ملادوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملادوں
کانٹوں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملادوں

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

میر انیس پر تفصیلی بحث کے بعد شبلی جب مرزا دبیر کی طرف توجہ کرتے ہیں تو کلام کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

> اس کے ساتھ الفاظ میں فصاحت، سلامت، روانی، بندش میں چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی دلآویزی اور برجستگی، لطیف و نازک تشبیہات اور استعارات، اصولِ بلاغت کے مراعات، ان تمام اوصاف میں سے کون سی چیز مرزا دبیر میں پائی جاتی ہے۔ فصاحت ان کے کلام کو چھو تک نہیں گئی، بندش

> میں تعقید و اخلاق، تشبیہات و استعارات اکثر دوراز کار، بلاغت نام کو نہیں کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے سے بالکل عاجز ہیں۔ خیال بندی اور مضمون آفرینی البتہ ہے لیکن اکثر جگہ اس کو سنبھال نہیں سکے۔ [۶]

شبلی نے تعقید اور غرابت کی مثالیں مراثی دبیر سے لکھی ہیں، مگر ان کا یہ کہنا ہے کہ وہ کسی حالت یا کیفیت کی تصویر بالکل نہیں کھینچ سکتے، انصاف نہیں ہے شبلی نے بہت ہی جبر و اکراہ سے دبیر کی اس خوبی کا بہر حال اعتراف کیا ہے کہ مضمون بندی اور خیال آفرینی ان کے یہاں پائی جاتی ہے لیکن ساتھ میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو سنبھال نہیں پاتے۔ مطلب یہ کہ مرزا دبیر خود ضبطی سے عاری ہیں۔ یہ بات شبلی کو گراں گزرتی ہے اور اسے بھی قابلِ تحسین نہیں قرار دیتے۔

میر انیس کے متعلق شبلی فرماتے ہیں:

> ’’ان کا اصلی جوہر بندش کی چستی، ترکیب کی دل آویزی، الفاظ کا تناسب اور برجستگی اور سلامت ہے یہ چیزیں مرزا صاحب کے یہاں بہت کم ہیں۔ ایک مصرع میں ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے اور دوسرا مبتذل اور پست ہے بند کا ایک شعر اس زور و شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے اور دوسرا بالکل پھیکا اور کمزور ہے یعنی کم وزن ہے دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہیں پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوجاتی ہے، اکثر جگہ اشعار بڑے دھوم دھام کے ہیں لیکن حاصل کچھ نہیں۔‘‘ [۷]

اب مرزا دبیر کے متعلق ارشادات ملاحظہ ہوں:

> ’’وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہیں، لیکن مناسب الفاظ ہاتھ نہیں آتے اس لیے مضمون ایک گورکھ دھندہ بن کر رہ جاتا ہے۔‘‘

اور یہ بھی رقم طراز ہیں:

> ’’مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہیں اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسی عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہیں جن کی طرف کبھی ذہن منتقل نہیں ہوا ہوگا، لیکن اس زور میں وہ اس قدر بلند اُڑتے ہیں کہ بالکل غائب ہوجاتے ہیں۔ [۸]

حالانکہ شبلی یہ بھی رقم فرماتے ہیں کہ:

> ’’اس میں کچھ شبہ نہیں مرزا صاحب کی قوت مستحیلہ نہایت زبردست ہے وہ اس قدر دور کے استعارات اور تشبیہات ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیدا کرتے ہیں کہ وہاں تک ان کے حریفوں کا طائرِ وہم پرواز نہیں کرسکتا....وہ قوت مستحیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہیں اور خیال استقلالی سے ثابت کرتے ہیں۔‘‘

ان دونوں شعرا کے محاکمے اور موازنے کے ذیل میں شبلی نے مراثی کے بند کے بند تو پیش کیے ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے کہ متن کے خاص خاص اجزا پر انھوں نے ناقدانہ خیال بھی ظاہر کیا ہوا ہے اور اس کا تجزیاتی عمل اور تجزیہ بھی کیا ہو، ایک ہی صورت، واقعہ یا فضا اور ماحول کو دھیان میں رکھ کر، مفرد اشعار سے زیادہ گفتگو کرتے ہیں دو موضوع اور مضامین کی یکسانیت کے اعتبار سے بھی مفرد اشعار کے انتخاب سے مناسب طریقۂ تنقید کا اظہار نہیں ہو پاتا ہے۔

دراصل شبلی کے ذہن پر فصاحت بہ معنی سادگی، روانی اور ساعت کا اتنا گہرا اثر ہے کہ ان کے لیے کسی دماغی پیرایہ و اظہار کا تصور نہیں ہے حالانکہ انھوں نے بڑی خوبی اور سادگی سے بلاغت کے ڈانڈے کو فصاحت کا رشتہ الفاظ سے جوڑتے ہیں۔ شبلی کے یہاں تشبیہات اور استعارات کے بیچ امتیازی اور تفریق کا کوئی واضح تصور بھی نہیں ملتا، خیال آفرینی اور مضمون آفرینی کو قابل تحسین تو ٹھہراتے ہیں لیکن ان کے نزدیک یہ کم وقعت رکھتی ہے، وہ قوتِ مستحیلہ کے ضرور قائل ہیں لیکن اس کا سبب شاید یہ ہے کہ شاعری میں فلسفیانہ استدلال اور منطقی استنباط کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی بلکہ جذباتی منطق (Emotional Logic) سے کام لیا جاتا ہے۔ اپنے اس اعتراض کو شبلی نے متعدد بار دوہرایا ہے کہ مرزا دبیر کے یہاں خیال آرائی بہت زیادہ پائی جاتی ہے، لیکن وہ اس اس پر قابو نہیں رکھ پاتے، لیکن شبلی نے ان کی توضیح و تصریح اس طرح نہیں کی ہے جس طرح کی تنافر لفظی اور غرابت لفظی کے ذیل میں بحث کرتے ہیں۔ ’’موازنہ‘‘ کے مطالعے سے اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ شبلی کے ذہن میں اصطلاحات کا ایک تسلیم شدہ اور مروجہ سانچہ تھا جس میں انھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور اپنے موازنے کو اس سانچہ میں رکھ کر بحث کی ہے اس سانچے میں جن ادبی اور انتقادی اقدار کو پیش نظر رکھا گیا ہے وہ سادگی، اصلیت، ہمواری، بندش کی چستی، تراکیب کی دل آویزی اور برجستگی ہے۔ خیال آفرینی، دقتِ نظر، طرفگی اور مبالغہ جس کو شاعری کا مابہ الامتیاز تصور کیا جاتا ہے

اس کو کم اہمیت دی ہے۔

بلاشبہ میر انیسؔ کے یہاں فصاحت کے علاوہ ارتعاش اور ایک طرح کی تجذیب اور تہذیب ہے، احساسات اور جذبات کی جو گداختگی ہے موقع و محل کے اعتبار سے ان کے معیار و مدارج میں جو تفریق نمایاں ہے، اس کے متعلق موازنہ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح سے مرزا دبیرؔ کے یہاں معلوم و مانوس سے ماورا ہونے کی جو صلاحیت اور انفرادیت ہے، جو نکتہ آفرینی اور نکتہ سنجی ہے، اس کی جانب بھی شبلی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے اور انھوں نے بہت سی باتوں کو اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ اکثر و بیشتر الجھن ہونے لگتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ شبلی، میر انیسؔ کے ذیل میں جائز حدود کو پار کر گئے ہیں اور ان کا یہ موازنہ ایک طرح سے جانبداری کا شکار ہو گیا ہے۔ شبلی شعر العجم کی جلد چہارم میں اور اپنے موازنہ میں تخیل کی بے پناہ قوت کو تو تسلیم کرتے ہیں جس کی مدد سے ہم لامحدود امکانات کا پتہ لگاتے ہیں اور نئی دنیاؤں کی تخلیق کرتے ہیں، لیکن نہ تو وہ اس صلاحیت کو ممیّز اور ممتاز کرتے ہیں جس کے ذریعہ ہم اس میں اعتدال پیدا کرتے ہیں لیکن اس کے باوصف شبلی کے موازنے نے اردو تنقید میں ایک اندازِ فکر اور طریقۂ انتقاد کی باقاعدہ اور باضابطہ بنیاد ڈالی ہے اور آج بھی اُردو مرثیہ نگار تنقیدی تاریخ اور میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے کلام کی تفہیم میں یہ کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ شبلی کے ہی باعث پہلی مرتبہ مرثیہ کے شاعرانہ پہلوؤں کی طرف اربابِ ادب کی توجہ مبذول ہوئی۔

شبلی کو مشرقی تہذیب اور ادبی سرمایے سے خصوصی شغف تھا اور ان میں اس کی حد درجہ صلاحیت بھی تھی اور اس کو خلوصِ دل سے برتنے اور سمجھتے بھی تھے ان حقائق کی روشنی میں علامہ شبلی نعمانی کے انتقادی کمالات کا جائزہ لینا مفید مطلب ہوگا۔

شبلی، میر انیسؔ اور اردو مرثیہ کی طرف اس سب سے بھی متوجہ ہوئے تھے کہ اُن کے پیش نظر اس عہد کی زوال پذیر شاعری کی اصلاح مقصود تھی۔ اس عہد کے سبھی ادیب شاعر اور فکر اس مفکر میں تھے کہ کیسے ملک اور قوم کو زوال سے نجات دلائی جائے چنانچہ انھوں نے موازنہ کی تمہید میں اس بات کا اشارہ بھی کیا ہے:

> ’’فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزیں ہیں، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک میں قبول عام حاصل کر لیا ہے اس نے لوگوں کو یقین دلایا کہ اردو شاعری میں زلف و خال و خط یا جھوٹی خوشامد اور مداحی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، میر تقیؔ میر کی غزلیت، دردؔ کا تصوف، غالبؔ کا فلسفہ، شاعری کی جان ہیں لیکن ان بیش بہا خزانوں میں سے بھی عام لوگوں کی نگاہ صرف خزف ریزوں پر پڑتی ہے۔ میر انیسؔ کا کلام شاعری کی تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے لیکن ان کی قدردانی کا طغرائے امتیاز صرف اس قدر ہے کہ کلام فصیح ہوتا ہے اور بین اچھے لکھتے ہیں اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے جس سے اندازہ ہو سکے کہ اردو شاعری باوجود کم مائیگی زبان کیا پایہ رکھتی ہے۔ اس غرض کے لیے میر انیسؔ سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان کے کلام میں شاعری کی جس قدر اصناف پائی جاتی ہیں اور ہیں اور کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتیں...‘‘ [۸]

حالانکہ شبلی سے پہلے محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی میر انیسؔ کی ادبی اور شعری اہمیت و فضیلت کا ذکر کر چکے تھے لیکن شبلی نے انیسؔ کو اپنے شعری پیمانے اور معیار و میزان کی روشنی میں پرکھا ہے اور اس اندازِ نقد سے وہ انیسؔ کو منفرد شاعر ثابت کرنا چاہتے تھے ان کی انتقادی اور احتسابی نظر میں جو شاعری کی خصوصیات اور امتیازات تھے ان کی بہترین مثالیں اور نمونے انیسؔ کی شاعری ہی میں دکھائی دیے۔ شعر العجم کی جلد چہارم میں جب وہ فارسی شاعری کے ذیل میں فنِ شعر گوئی سے متعلق اصولی مباحث کر رہے تھے اس وقت بھی شبلی نے انھی کی اردو شاعری سے مثالیں پیش کی ہیں۔ دراصل شبلی نے مختلف اسباب کی بنا پر میر انیسؔ کا انتخاب کیا ہے، انیسؔ کو ایک مکمل شاعر کے طور پر پیش کرنا شبلی کا اصلی مقصد تھا، انھیں یہ بھی بتانا تھا شاعری سے کیا مراد ہے؟ شاعری کا منصب کیا ہے، کن عناصر سے اچھی شاعری وجود میں آتی ہے۔ تخیل اور جذبات کسے کہتے ہیں؟ شاعری میں علم بدیع کی کیا حیثیت ہے؟ ان سب کی روشنی میں معیار و میزان مرتب کیا جائے مصوری اور واقعہ نگاری اور محاکاتی عناصر پر بھی شبلی نے بحث کی ہے یہ حقیقت ہے کہ شبلی اپنے مقرر کردہ معیار شاعری پر اتنا اعتماد رکھتے تھے کہ کسی اور معیار پر انیسؔ کے کلام کو پرکھنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا، شبلی نے موازنہ کی تمہید میں ایک اہم جملہ بھی لکھا ہے جس سے ان کے اندازِ نقد کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے:

> ''جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو، اس کے سامنے میر انیسؔ کی نسبت کمالِ شاعری کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔''[9]

اس جملے کی روشنی میں شبلی کے تنقیدی اندازِ فکر کی تفہیم ممکن ہے اسی لیے موازنہ میں شاعری کے لفظی پہلوؤں اور بلاغت دونوں کا ذکر ہے شبلی نے بلاغت کے باریک پہلوؤں مثلاً واقعیت، مناظرِ فطرت کی مرقع کشی، روزمرہ، جذبات نگاری اور واقعہ نگاری سبھی کا تذکرہ کیا ہے اور بہت واضح مثالوں سے پیش کیا ہے، اس باب میں شبلی نے کوئی فلسفیانہ موشگافیوں سے کام نہیں لیا ہے۔

شعر و سخن کے سلسلے میں شبلی الفاظ پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ ان خیالات اور تصورات کو جن میں مسرت و انبساط کی کیفیت ہوتی ہے اس کی دلکش پیشکش کو شاعری کہتے ہیں، موضوع کے مختلف پہلوؤں، اس کی ہم آہنگی کو دوسرے درجے پر رکھتے ہیں، شدتِ جذبات اور صداقت پر زیادہ متوجہ کرتے ہیں، احساسات کی تصویر کشی میں تخیل کی کارفرمائیاں انھیں پسند ہیں اور جدت طرازی کا عمل اس میں زیادہ دلچسپی کا سبب بنتا ہے۔

حالیؔ کے نزدیک مرثیہ کو شاعری میں اصلاً اخلاقی حیثیت حاصل ہے۔ شبلی مرثیہ کے اس اخلاقی پہلو کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے حالانکہ موازنہ کی تمہید میں یہ پہلو ان کے پیشِ نظر تھا۔ اس سے حالیؔ اور شبلی کے تنقیدی تصورات کا بنیادی فرق واضح ہو جاتا ہے اور اُسی سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حالیؔ اور شبلی کے عہد کو ادبی اقدار کی تلاش و جستجو کا عہد بجا طور پر کہا جا سکتا ہے یہ سچ ہے کہ مرثیہ کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے ''موازنہ'' نے نئی راہیں دکھائی ہیں اور آئندہ کے تبصرہ نگار اور ناقدین اس ڈگر پہ چل کر کوئی مثبت رائے قائم کر سکتے ہیں اس لیے کہ اردو تنقید کے ارتقا میں شبلی نے گراں قدر اور وقیع علمی اکتسابات کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور سب سے پہلی علمی انتقادیات Practial Criticism کے رویے کی نشاندہی کی ہے۔

حواشی

۱۔ سرسید اور اُن کے نامور رفقا — ڈاکٹر عبداللہ، ص: ۲۴۴
۲۔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ، علامہ شبلی، ص: ۳۰
۳۔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ — شبلی، ص: ۲۵
۴۔ مضمون فن بلاغت — مقالات شبلی، دوم، ۱۹۳۱ء مطبوعہ اعظم گڑھ
۵۔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ، ص: ۶۹
۶۔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ، ص: ۳۸۸
۷۔ موازنہ انیس و دبیر، ص: ۳۸۸
۸۔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ، ص: ۵۲
۹۔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ، علامہ شبلی نعمانی، ص: ۲، ص: ۳
۱۰۔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ، علامہ شبلی نعمانی، ص: ۲، ص: ۳

○○

مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت اور کارنامے

بیسویں صدی کے عظیم مذہبی، فکری، سیاسی پیشوا مولانا ابوالکلام آزاد کی برگزیدہ شخصیت اور ان کے علمی، عملی کارناموں پر اہم دستاویز۔

اردو اکادمی، دہلی نے ''مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت اور کارنامے'' کے عنوان سے جو کل ہند سمینار منعقد کیا تھا اس میں پڑھے جانے والے مقالے اس کتاب میں یکجا کر دیے گئے ہیں جو چھ حصوں میں تقسیم ہیں۔ سیرت و شخصیت، سیاست، مذہب، ادبی نثر، صحافت اور شاعری۔ اس کتاب میں جو مقالے شامل کیے گئے ہیں ان میں کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی شخصیت اور کارناموں کے ہر پہلو پر خاطر خواہ روشنی پڑ جائے۔

مولانا کی شخصیت اور کارناموں سے مکمل آگاہی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل مولانا کے مکمل سوانح حیات درج کیے گئے ہیں اور مولانا کی تاریخی اور اہم ترین تصویریں بھی شامل کی گئی ہیں۔

مرتب: ڈاکٹر خلیق انجم، قیمت: ۱۰۰ روپے، صفحات: ۵۰۲ (چھٹا ایڈیشن)

ناشر: اردو اکادمی، دہلی